چارلس کراتھ ایمر

عالم عرب کے انقلابات اور انتخابات میں اسلام پسندوں کا غلبہ

انقلاب کے بعد انتخابات کے نتیجے میں لیبیا اعتدال پسند اور مغرب نواز حکومت کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ یہ ایک اچھی خبر ہے لیکن یہ عارضی ہوسکتی ہے۔ لیبیا موجودہ دور میں ملک کی تعریف پر کم پورا اترتا ہے۔ یہ تیل کے کنویں اور طویل ساحل رکھتا ہے۔ اور کثیر تعداد میں قبائل کے علاقے کے طور پر نظر آتا ہے۔ لیبیا میں مرکزی قومی اتھارٹی کمزور ہے تاہم اس کے باوجود محمود جبریل کی حکومت پرائیویٹ ملیشیا پر قابو پانے اور ایک عملی جمہوریت قائم کرنے کے قابل ہے۔ اس کو عرب خطے میں بیداری کی مہم سے الگ تناظر میں دیکھنا ہوگا۔

تیونس اور مراکش جو تمام عرب ممالک میں سب سے زیادہ مغرب زدہ تھے وہاں اسلامی حکومتیں منتخب ہوگئی ہیں۔ عرب دنیا کے سب سے بڑے اور زیادہ مؤثر ملک مصر میں اسلام پسندوں نے فیصلہ کن فتح حاصل کی ہے۔ اخوان المسلمین نے صرف صدارتی انتخاب ہی نہیں جیتا بلکہ اس نے مصری پارلیمنٹ کی تقریباً آدھی نشستیں بھی جیت لی ہیں جبکہ بنیاد پرست اسلام پسندوں نے تقریباً 25 فیصد نشستیں حاصل کی ہیں۔ دونوں جماعتیں مل کر پارلیمنٹ کی 70 فیصد نشستوں کی حامل بن جاتی ہیں جو مصر کے نئے آئین کی تیاری کے لئے کافی تعداد ہے۔

شام میں اب دیکھنا یہ ہے کہ صدر بشارالاسد کی حکومت کب ختم ہوتی ہے یہاں بھی سنی عقیدہ کے لوگ طاقت کے ساتھ ابھریں گے۔ اردن اگلا ملک ہوسکتا ہے جبکہ اخوان المسلمین کے فلسطینی ونگ حماس کی غزہ میں حکومت قائم ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ عرب دنیا میں حالیہ انقلاب کو تبدیلی کی لہر کا نام دینا غلط ہے۔ یہ اسلام پسندوں کا غلبہ ہے جو عرب کی سیاست پر کئی نسلوں تک غالب رہے گا۔

یہ جدید عرب کی سیاسی تاریخ کے تیسرے مرحلے کی تشکیل ہے۔ پہلی سٹیج بیسویں سدی کے پہلے نصف میں برطانیہ اور فرانس کی حکمرانی میں تھی۔ دوسری سٹیج عرب قوم پرستوں، سیکولر، سوشلسٹ کی حامی، نوآبادیاتی اور مذہب مخالف حکومتوں پر مشتمل ہے جو مصر 1952ء میں فری آفیسر کی بغاوت سے شروع ہوئی تھی۔

یہ فوجی آمریت کی طرف سفر تھا اور جمال عبدالناصر نے اس انقلاب کی قیادت کی تھی۔ اس نے عرب قومیت کا جھنڈا بلند کیا اور مصر کا نام تبدیل کر کے یونائیٹڈ عرب دی پبلک رکھا اور 1958ء میں شام کے ساتھ اپنے ملک کو ضم کر دیا۔ یہ ایک مضحکہ خیز منصوبہ تھا جو تین سال تک جاری رہا۔ یہ ایک عظیم عرب اتحاد کا آغاز تھا جو کبھی بھی قائم نہیں ہوسکا۔ ناصر اور

اس کے قوم پرست حامیوں نے اسلام پسندوں کے خلاف سخت اقدامات کئے۔ مصر کے حسنی مبارک، عراق کے بعث پارٹی کے صدام حسین اور شام کے حافظ الاسد اور ان کے بیٹے اور حالیہ صدر بشار الاسد عرب جدت کے مخالف بن کر سامنے آئے۔

عرب آمر قوم پرستوں کی خود ساختہ جدیدنا کام ثابت ہوئی۔ انہوں نے غیر فعال، نیم سوشلسٹ، بیوروکریٹک اور کرپٹ حکومتیں قائم کیں جنہوں نے عوام کو غربت، ذلت اور محرومی کی دلدل میں دھکیلا۔

حالیہ عرب بیداری کی لہر کا آغاز 2011ء میں تیونس سے ہوا۔ بہت سارے مغربی ممالک کو یقین تھا کہ مستقبل ہپیوں، سیکولر اور التحریر سکوائر میں گانا گانے والے بچوں کا ہے۔ افسوس یہ کہ اس مغربی حمایت یافتہ طبقے کا منظم تنظیموں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ وسیع حمایت یافتہ سیاسی اسلام پسندوں نے انتخابات میں انہیں کامیابی کے ساتھ پچھاڑ دیا۔ یہ فیس بک کے انقلاب کا آغاز تھا۔ سیکولر قوم پرست عرب قومیت کو کچلنے کے لئے اخوان المسلمین عرب مسائل کو حل کرنے کا نعرہ بلند کر کے اٹھی۔ اس نے کہا کہ تمام مسائل کا حل اسلام میں ہے، اس نے اس کا پرچار کیا جو آج بھی جاری ہے۔ لیکن کس قسم کا سیاسی اسلام؟ اس کا انحصار مستقبل پر ہے۔ ترکی کا جدید ماڈل یا پھر ایرانی بنیاد پرستی کا ماڈل؟

اردوان کا ترکی کوئی خوبیوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ اردوان نے فوج کو بڑھتے آمرانہ تسلط کا خاتمہ کیا، عدلیہ کو غیر مؤثر کیا اور ذرائع ابلاغ پر پابندی لگائی۔ چین سے زیادہ ترکی میں صحافی جیل میں ہیں۔ بہر حال دیگر ہمسایہ اسلامی ممالک کے مقابلے میں ترکی نسبتاً زیادہ مغرب نواز اور جمہوری ہے۔ ___ عرب ممالک میں حالیہ اسلام پسندوں کے غلبے کو ترکی کی طرز حکومت سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ مراکش، تیونس اور کسی حد تک مصر میں جہاں فوج سیکولر ریاست کی بذات خود محافظ تھی، اسی طرح اتاترک سے اردوان تک ترکی میں بھی فوج 80 سال تک یہی ذمہ داریاں سرانجام دیتی رہی۔ حقیقی جمہوری حکمرانی اب بھی عرب سرزمین پر قائم نہیں ہوسکی۔ انتہا پسند اسلام کے پاس کسی بات کا جواب نہیں۔ جسکی مثال ہم افغانستان میں طالبان حکومت، سوڈان میں اسلام پسندوں کی حکومت اور ایران میں مذہبی اجارہ داری سے دیکھتے ہیں۔

جہاں تک اعتدال پسند اسلام کا تعلق ہے اگر یہ ممکنہ طور پر بہت زیادہ انقلابی ہے تو یہ بھی ناکام ہوگا اور عرب میں بیداری کی لہر کا ایک نیا مستقبل ہوگا جس میں جمہوریت تمام معاملات پر جواب دہ ہوگی یا پھر اسے اس جدیدیت کو اختیار کرنا ہوگا جس میں متبادل قوتوں کو سیکولرازم کے ساتھ قبول کرنا ہوگا اور ایک مستند عرب اسلامی جمہوری اصول کے ارتقاء سے اپنے مقاصد کو حاصل کرنا ہوں گے اور شاید ایسا ہی ہو۔

آج ہم صرف ایک ہی چیز کے بارے میں یقین رکھتے ہیں کہ عرب قوم پرستی مر چکی ہے اور اسلام پسند کامیاب ہو چکے ہیں۔ یہ وہ ہے جو عرب میں تبدیلی کے لہر سے شروع ہوا ہے۔ عقل کو اس تلخ حقیقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ (بحوالہ روزنامہ ''نئی بات'')